کامیاب مدرس کی دس نمایاں اور امتیازی خوبیاں

از: یزید احمد نعمانی

مصعب بن زبیر رحمہ اللہ نے اپنے صاحب زادے سے فرمایا: ''اے میرے لختِ جگر! علم حاصل کرو۔ اگر تمہارے پاس مال ہوا تو یہ علم تمہارے لیے باعثِ زینت اور شانِ افتخار ہے۔ اور اگر تمہارے پاس دنیا کی دولت نہ ہوئی تب بھی یہ علم تمہارے لیے کسی متاع بے بہا سے کم نہیں۔''

دینِ اسلام ہر جہت سے کامل واکمل ہے۔ اِس کے کمالات ومحاسن اور فضائل ومناقب میں سے ایک نمایاں خوبی اور ممتاز وصف ''علم وحی'' ہے۔ قرآن وسنت نے جابجا مختلف مقامات پر حصولِ علم کی ترغیب وتشویق دے کر، یہ امر واضح کردیا ہے کہ ایک عالم وعارف کبھی بھی کسی جاہل ونادان کے برابر نہیں ہوسکتا۔ ان کے درمیان کسی مساوات وہم سری کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ''علم'' ہی ہے جس کی طرف سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں معلم واستاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' آج بھی جو حضرات تعلیم وتعلّمِ دین سے منسلک اور وابستہ ہیں، ان کی حیثیت، مرتبت اور اہمیت مسلم ہے۔ بقول حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ: ''تعلیم (دین) کی حالت دوسرے کاموں کے مقابلے میں ایسی ہے، جیسے انجن کا پہیہ کہ اس کے چکر پر تمام گاڑیوں کو حرکت ہوتی ہے۔ اگر اس کی حرکت بند ہوجائے تو تمام گاڑیوں کی حرکت بند ہوجائے؛ مگر اس کی ضرورت کا احساس لوگوں کو نہیں ہوتا۔ درس وتدریس (دین) سب محکموں کی روح ہے۔ خواہ تقریر ہو، خواہ تحریر، خواہ تصنیف سب اسی تعلیم (دین) کی فرع ہیں؛ مگر اس وقت سب سے زیادہ اسی کو بے کار سمجھ رکھا ہے۔ عام طور سے لوگوں کی نظر میں علماء کی وقعت کم ہے۔'' (تحفۃ العلماء 69/1)

آج کے مادہ پرست، ظاہر بیں اور بناوٹ شعار زمانے میں مجموعی طور پر ''مدارس دینیہ'' بحمداللہ ایک معلم ومدرس کو اس کا وقار وعزت ویسے ہی فراہم کرتے ہیں، جو اس کے منصب ومقام

کا تقاضا ہے۔مرورِایام نے جہاں طلبۂ علوم دینیہ کوتن آسان ،سہل پسند اورغفلت کا خوگر بنادیا ہے، وہاں اساتذہ اور مدرسینِ علومِ نبویہ کی ذمہ داریاں اوران کے بلندرتبہ مقام کے تقاضے بھی پہلے سے کئی گنا بڑھ چکے ہیں۔سستی ، بےفکری اورعدم توجہی کی اس تاریک وسیاہ فضا میں وہ کون سے ایسے قابل توجہ اسباب وعوامل ہیں، جن کو برَت کر ایک کامیاب مدرس ومعلم اپنے متعلّمین ومنتسبین کی صلاحیتوں کودوآتشہ کرسکتا ہے؟جن سے استفادہ کرکے وہ اپنے لیے کامیابی وکامرانی کی راہیں ہموارکرسکتا ہے؟جن کی بنیاد پرامتِ بیضا کومعتبر رجال کاراورمستندافرادِدین مہیا کیے جاسکتے ہیں؟ آیئے !ایک اجمالی مگرمؤثر انداز میں ان سوالات کا جواب تلاش کریں....:

۱-وقت کی پابندی:

پابندیِ وقت ہرعقل مندانسان کی خوبی ہے۔تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے اور کروانے کا بنیادی اصول مقررہ وقت کا بھرپوراوردرست استعمال ہے۔اپنے وقت کی کامل حفاظت اوراُسے تول تول کرخرچ کرنا ہی کامیاب تدریس کی جانب پہلا قدم ہے۔اس حوالے سے ذراسی بےالتفاتی وبےتوجہی اورتساہل نہ صرف علمی،عملی اوراخلاقی رویے کےمنافی ہے؛ بلکہ زیرتدریس شاگردوں پربھی اس کے برے اورمنفی اثرات پڑسکتے ہیں۔جو یقیناً ان کے بہترمستقبل کے حوالے سے زہرِقاتل ہے۔وقت کا التزام یہ تواچھی اورقابلِ تحسین عادت ہے؛ البتہ اپنے گھنٹے سے قبل دوسرے استاد کے گھنٹے کا وقت لیا جائے اورنہ ہی مقررہ وقت ختم ہونے کے بعد دوسرے مدرس کے اوقات میں بےجادخل اندازی کی جائے۔متعین ساعتوں میں اپنی بات سمیٹنااورتکمیل تک پہنچانا اخلاقاًوشرعاً ایک مدرس کی ذمہ داری ہے۔

۲-تفہیم سے قبل تفہّم:

وقت کومعتدل انداز میں اسی وقت اپنے لیے کارآمداورمفید بنایا جاسکتا ہے، جب آپ تعلیم گاہ میں جانے سے پہلے متوقع سبق کوخوب اچھی طرح دیکھ چکے ہوں۔بسااوقات عبارت میں کسی قسم کی غلطی وابہام کی وجہ سے صحیح معنی اورمفہوم اخذنہیں ہوپاتا؛چنانچہ اس مرحلے کواگر پہلے ہی عبور کرلیا جائے تویقیناً آپ مکمل اطمینان وسکون کے ساتھ طلبہ کوسمجھاسکتے ہیں۔اسی طرح عبارت کے مالھاوماعلیہا کی آگاہی اورواقفیت سے افہام کاراستہ آسان اورسہل ہوجاتا ہے۔سبق کی روانی

اور رفتار بھی متاثر نہیں ہوتی۔ یاد رکھئے! سمجھانے سے قبل سمجھنا، بولنے سے پہلے سوچنا اور کرنے سے پیشتر نتائج پہ نظر رکھنا، آپ کے اندازِ تدریس اور معیارِ تعلیم پر خوش گوار اور دیرپا اثرات ڈال سکتے ہیں۔

۳-اسلوبِ تعلیم:

ہر انسان کو خالق کائنات نے مختلف خوبیوں اور محاسن سے نوازا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک اچھائی اور خوبی کسی انسان میں ہو تو لازماً دوسرے فرد میں بھی پائی جائے؛ مگر چند ایسی صفات ضرور ہیں جو مشترکہ طور پر ہر انسان کو قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کون کتنا اور کس خوبی سے اس کو اپنے تصرف میں لاکر اپنے لیے ترقی کی منزلیں قریب کرتا ہے۔ ایک مقبول اور ہر دل عزیز استاذ کی پہچان اور اُس کا تعارف یہ ہے کہ وہ سبق اور درس کو شاگردوں کے ذہن وفہم کے قریب لے آئے۔ یہ قرب ونزدیکی اس قدر ہو کہ کوئی طالب علم اُس کتاب وسبق سے وحشت وتنگی اور بُعد محسوس نہ کرے؛ لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ جواب بہت سیدھا اور آسان ہے۔ درس ہمیشہ ''تقطیع اور تجزّی'' کے اصول پر پڑھایا جائے۔ یعنی دانش گاہ میں قدم رکھنے سے قبل ہی آپ ذہناً اس بات کو مستحضر کرلیں کہ آج میرے سبق میں کتنی باتیں، کتنے مباحث، کتنے فائدے اور کتنے نکات ہوں گے؟ اس تعین وتحدید کے بعد عبارت پر ان کو منطبق کردیں۔ انشاء اللہ العزیز کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

۴-طلبہ کی استعداد:

بلاشبہ ہر اچھے مدرس کی تمنا اور آرزو ہوتی ہے کہ اس کے طلبہ علمی لیاقت اور فنی استعداد میں مضبوط اور پختہ ہوں۔ اس خواہش کے شگوفے اسی وقت چٹکیں گے، جب آپ طلبہ کو بھی اپنی تدریسی عمل کا حصہ بنالیں۔ اس کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ: روزانہ کی بنیاد پر اُن سے عبارت خوانی کروائی جائے۔ ''سب نہ سہی، ایک سہی، زیادہ نہ سہی، مختصر سہی'' کے اصول اور ضابطے کو سامنے رکھ کر چلا جائے تو بہت کچھ پایا جاسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ: گزشتہ سبق کا حتی الامکان اعادہ کروائیں، چاہے خود سن کر یا آپس میں تقسیم کرکے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ: ہفتے دو ہفتے میں سابقہ خواندگی کا سرسری لیکن تنقیدی جائزہ لیں۔ ان امور کی رعایت سے استاذ کے ذہن میں خود

بھی نئی نئی باتیں اور اچھوتے خیالات جنم لیتے ہیں، جو عمل کی بھٹی سے نکل کر کُندن کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ ضرورت ہے فقط ہمت اور حوصلہ کی۔

۵۔ مصطلحاتِ فن اور طلبہ:

اولین اور بنیادی درجات میں اس بات کا التزام ولحاظ رکھا جائے کہ طلبہ کو صرف ونحو، فقہ واصولِ فقہ، اصولِ تفسیر وحدیث اور منطق وبلاغت کے مصطلحات واصطلاحات خوب ازبر ہوں۔ شروع میں اس اہم اور طالبِ ریاضت مرحلے کو نظرانداز کردینے کا نقصان آخر تک نظر آتا ہے۔ ابتدائی طالب علموں کے اذہان وافکار اُس خام مال کی طرح ہیں، جسے ماہر اور موقع شناس کاریگر کسی بھی عمدہ سانچے اور خوبصورت ظرف میں ڈھال سکتا ہے؛ چنانچہ اس وقت کا معیاری اور کامیاب استعمال اسی صورت ممکن ہے۔ جب اُن تازہ ذہنوں کو ماہر ومشاق مدرس اپنے متعلقہ فن کی موٹی موٹی تعریفات مثالوں کے ساتھ یاد کرادے۔ جو آگے چل کر ان کے لیے مطولات کے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

۶۔ علمی تشنگی کی آبیاری:

حدیث مبارکہ میں رسول معلّم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اور نکتہ رس سوال کو ''آدھا علم'' فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ طالبان علومِ نبوت میں یہ علمی پیاس اور تشنگی کا ذوق وشوق کیسے اور کیوں پیدا ہوسکتا ہے؟ یا کیا جاسکتا ہے؟ اس کا حل احادیث مبارکہ کی کتب میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سے ایک سوال فرمایا، کسی کو جواب نہ آیا۔ میں جان گیا کہ اس سوال کا کیا جواب ہے؛ لیکن شرم وحیا اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے، مجھے بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الرسول المعلم ﷺ'' میں مندرجہ حدیث شریف کے حاشیہ میں رقم طراز ہیں: ''استاذ کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے متعلّمین ومستفیدین سے ازخود سوال کرے۔ جس کے ذریعے ان کے اندازِ فہم کی جانچ وپرکھ کے ساتھ ساتھ، ان میں غور وفکر اور سوچ وبچار کی جانب رغبت وشوق پیدا کرنے کی کاوش شامل ہو۔ اگرچہ معلم طلبہ کے سامنے اس بات کو اس انداز میں بیان کرچکا ہو، کہ وہ اپنی کم فہمی اور ناسمجھی کی بنا پر اس سوال کی گہرائی

اور حقیقت تک نہ پہنچ سکے ہوں۔'' (ص108)

۷- دورانِ درس ناصحانہ کلمات:

والد اور استاذ کے مابین کلیدی فرق وامتیاز یہ ہے کہ باپ اپنے بچے کی مادی اور ظاہری وجسمانی نشوونما کرتا ہے؛ جب کہ ایک مشفق ومہربان استاذ اپنے شاگرد کی باطنی اور روحانی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ ہر باصلاحیت معلم اور جوہر شناس استاذ کی نظر ہمہ وقت اپنی روحانی اولاد کی سیرت وکردار پہ رہتی ہے، اور کیوں نہ ہو؟ کہ اس قیمتی اور زریں دور کی کمی اور کجی پوری عمر کا روحانی روگ بن سکتی ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ حقیقت پسند اور نفسیات شناس مدرس اپنے آپ کو فقط کتاب کی تدریس وتعلیم تک محدود نہ کرے؛ بلکہ دورانِ درس کوئی نصیحت آموز کلمہ، کوئی فکرانگیز واقعہ، کوئی نظریہ ساز جملہ کہہ کر اپنے زیرتربیت نونہالوں کی عملی زندگی کا دھارا بدلنے میں مثبت اور نتیجہ خیز کردار بھی ادا کرے۔

۸- معتدل مزاجی:

طلبہ کے ساتھ اعتدال، میانہ روی اور دوستانہ رویہ، ان کی فکری، علمی اور ذہنی صلاحیتوں کو ابھارنے اور نکھارنے میں بے حد مفید ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ جہاں خشک مزاجی، بے جا غصے کا اظہار اور حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی سختی اور تشدد آپ کو طالب علم سے دور کردیتی ہے، وہاں افراط کی شکار نرمی، طبیعت میں عدم سلیقے کا عنصر اور طلبہ سے فضول گپ شپ بھی درس گاہ کے عمومی اور آپ کے پڑھانے کے خصوصی ماحول کو متاثر وبدنما کرتی ہے۔ ایسی فضا اور ماحول جس میں توسط واعتدال کا رنگ نمایاں ہو، آپ کی ذہنی پختگی اور بہترین انتظام کا مظہر سمجھی جائے گی۔ ورنہ اس معاملے میں کسی بھی قسم کی کمی یا کوتاہی سے پیدا ہونے والے نتائج کا سدِباب ناممکن اور محال ہے۔

۹- طلبہ میں امتحانی شعور اُجاگر کرنا:

ایک کسان کے لیے انتہائی خوشی اور مسرت کا سب سے بڑا لمحہ وہ ہوتا ہے، جب اسے اپنے ہاتھوں بویا ہوا بیج ....ایک لہلہاتی، ہوا کے دوش پر لپکتی اور ہری بھری فصل کی صورت میں نظر آتا ہے۔ بالکل اسی طرح صاحبِ دل استاذ کے لیے راحت اور عزت کا مکمل سامان اس وقت

میسر ہوتا ہے، جب اس کے ہونہار طلبہ امتیازی اور نمایاں حیثیت ومرتبہ حاصل کریں۔اگرچہ امتحان دینا شاگرد اور متعلّم کا کام ہے؛مگر اس کی تیاری کے لیے لائحہ عمل،طریقۂ امتحان کی وضاحت اور لکھنے کے ڈھنگ کی صورت گری جیسے مراحل استاذ کے ہاتھوں ہی وقوع پزیر ہوتے ہیں۔جائزہ چاہے تحریری ہو یا تقریری۔ہردو کے لیے چندراہ نما اورسودمند ہدایات بتلانے سے طالب علم کا حوصلہ بڑھتا ہے،اسے ڈھارس ملتی ہے،اسے یقین ہوجاتا ہے کہ ایک قوت میری سرپرستی اور راہ دکھلانے والی موجود ہے۔اس احساس کا منطقی نتیجہ بہت خوش گوار اور فرحت بخش ہوتا ہے۔

۱۰-اساتذہ میں باہم جوڑ واتفاق:

کوئی ادارہ، جماعت اور معاشرہ ایک فردوانساں سے مکمل نہیں ہوتا۔مختلف مزاج اور متفرق طبیعتیں مل کر ہی کسی مدرسہ،اسکول اور گھر کو وجود بخشتی ہیں۔ان الگ الگ مزاجوں اور طبیعتوں کا کسی امر پر متفق ومتحد ہوجانا،اُس کی پائیداری،مضبوطی اور پختگی کے لیے بنیادی وکلیدی اہمیت رکھتا ہے۔اس کے برعکس افتراق وانتشار،فتنہ وفساد اور ٹوٹ پھوٹ کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ قابل،محنتی اور مخلص استاذ ہمیشہ ایثار پیشہ،منکسر النفس اور اعمال صالحہ کا حریص ہوتا اور رہتا ہے۔ اس کی ابتدا سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی ذات،کردار اور شخصیت؛ مدرسہ،اسکول اور ادارے کے مجموعی ماحول کے لیے تکدر اور خرابی کا باعث وسبب نہ بنے۔اس کے کسی قول وعمل سے دوسرے کی دل آزاری اور دل شکنی نہ ہو۔ایک شخص اور فرد کا یہ عزم،ارادہ اور نیت پورے ادارے اور جماعت کے استحکام ودوام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔وگرنہ ایک چنگاری ہی پورے ڈھیر کو راکھ بنادینے کے لیے کافی ہوجاتی ہے۔اللہ رب العزت ہم سب کو صحیح معنوں میں دین کا خادم وسپاہی بنائیں! آمین۔

❁ ❁ ❁